AL-ILM Journal

Volume 5, Issue 2

ISSN (Print): 2618-1134
ISSN (Electronic): 2618-1142

Issue: https://www.gcwus.edu.pk/al-ilm/
URL: https://www.gcwus.edu.pk/al-ilm/

Title	Tashkeel e Samaaj Main Zaraye Iblaagh Ka Kirdaar (Islami Taleemat ki Roshni Main Tajziyat Mutalya)
Author (s):	Dr. Noor Hayat Dr. Syed Muhammad Shahid Trimzi Dr. Muhammad Ajmal Farooq
Received on:	17 April, 2021
Accepted on:	15 May, 2021
Published on:	10 October, 2021
Citation:	English Names of Authors, “Tashkeel e Samaaj Main Zaraye Iblaagh Ka Kirdaar (Islami Taleemat ki Roshni Main Tajziyat Mutalya) ”, AL-ILM 5 no 2 (2021):176-196
Publisher:	Institute of Arabic & Islamic Studies, Govt. College Women University, Sialkot

تشکیلِ سماج میں ذرائع ابلاغ کا کردار
(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ)

ڈاکٹر نور حیات*

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی**

ڈاکٹر محمد اجمل فاروق***

Abstract
With the development of contemporary world, new trends have been promoted for welfare of society. Humanity cannot ignore the tools of modern development which are utilized with full human strength. Media is a current tool of development in positive sense and negative as well. The media has multiple usage in contemporary world and it is approachable under every human finger. In the shape of social media it may play pivotal role to uplift the society with human characteristics achieving human salvation in the world. According to other side of the picture, it may attack others with pushing specified targets to achieve satanic goals. This research explores the role of media in the development of the society to achieve good and positive objectives for the humanity. With this study, media role will be analyzed according to Islamic teachings to polish the usage of social media direction in the society. It may open new avenues for further study among searchers and scholars.

Keywords: Media, Humanity, Society, Development, Islamic Teachings

در حقیقت آج کا دور ذرائع ابلاغ (میڈیا) کا دور ہے، جس کی طاقت ایٹم بم سے کم نہیں ہے۔ جو لاکھوں کروڑوں انسانوں کے ذہن ودماغ کو جس طرف چاہتاہے، موڑ دیتاہے۔ غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا پر حکومت کرنے کا موثر اور طاقتور ذریعہ ہے۔ انسانی سوچ کو اس کے ذریعے بڑی تیزی کے ساتھ متاثر کیا جارہا ہے۔ اس دور میں جسمانی غلامی کے بجائے انسانوں کو ذہنی غلام بنایا جاتا ہے، جو بدتر اور خوفناک غلامی ہے۔ اس کا موثر ترین ذریعہ میڈیا ہے۔ اس وقت مسلمانوں اور اسلام کا اہم ترین مسئلہ اس پر توجہ دینے کا ہے، تاکہ اس کے ذریعے اسلام کے خلاف اس خطرناک ترین یلغار کو روکا جاسکے۔ اگر اس سے غفلت برتی گئی تو تاریخ اور آنے والی

---

* : ایسوسی ایٹ پروفیسر وچیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

** : اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، بحریہ یونیورسٹی، اسلام آباد

*** : لیکچرار ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

نسلیں مسلمانوں کو معاف نہیں کریں گی۔ 58 اسلامی ممالک کے اہل دانش وبینش کی یہ ذمہ داری ہے کہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے پاکیزہ اسلامی سماج کی تشکیل، اقدار کی حفاظت، اسلامی تہذیب وثقافت کی احیاء، اسلامی تعلیمات اور تصورِ امت کو اجاگر کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

جدید ذرائع ابلاغ اور صحافت کے استعمال کو دینی مناہج اور اسلامی تعلیمات کے مطابق استعمال کرنے کے لیے مسلم مفکرین ومصنفین نے امت مسلمہ کو جو تحریری مواد عطا کیا ہے اُن میں مندرجہ ذیل کتب اور مقالات پیش کیا جاسکتے ہیں: اسلام کا قانون صحافت از ڈاکٹر لیاقت علی نیازی، یہ کتاب ۱۹۹۵ میں لاہور سے شائع ہوئی اگرچہ اس کتاب میں اس وقت کے مطابق صحافت اور اس کے متعلقات کو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق استعمال کرنے اور خلاف ورزی کرنے پر اسلامی سزا کا ذکر تو ہے مگر یہ جدید دور کی ضروریات سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ دینی مقاصد اور عقود و معاملات کے لیے استعمال، یہ کتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی نے ۲۰۰۹ میں شائع کی ہے حقیقتاً یہ ایک سیمنار کے مقالات کا مجموعہ ہے جس میں انٹرنیٹ کے دینی اور درست استعمال کی طرف لوگوں کی رہ نمائی کی گئی ہے۔ جدید ابلاغ عام، پروفیسر مہدی حسن کی تصنیف ہے جس میں انھوں نے عمومی ابلاغ اور اس کی اقسام پر روشنی ڈالی ہے۔ افواہیں اور ان کے مہلک اثرات، ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی کی کتاب دعوہ اکیڈمی، اسلام آباد نے شائع کی ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے غلط افواہوں کے نقصانات اور معاشرے میں اس کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔ مذکورہ موضوع سے منسلک دو مقالات بھی شائع کیے گئے ہیں، اُن میں ایک: ابلاغ کا اسلامی تصور اور عہد حاضر کے معاشرتی تقاضے، ڈاکٹر مطیع اللہ باجوہ نے القلم، دسمبر ۲۰۱۶۔ میں تحریر کیا ہے، اس میں مقالہ نگار نے قرآن وحدیث کی تعلیمات کو یکجا کیا ہے جبکہ دوسرا مقالہ: ذرائع ابلاغ کا کردار اور اس کے انفرادی ومعاشرتی اثرات: سیرت طیبہ کی روشنی میں تحدیدات از ڈاکٹر ام سلمیٰ، العلم جون ۲۰۱۸ میں شائع ہوا ہے۔ یہ دراسات سابقہ جس کا جائزہ یہاں پیش کیا گیا ہے اس میں اس میں تحقیق کا اہم پہلو تشنہ رہا ہے۔ مذکورہ مقالہ اس بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ انسانی کی ایک بنیادی ضرورت جسے معاشرہ کہا جاتا ہے اس کے تشکیل مراحل میں جہاں جہاں ابلاغ کا استعمال ہوا ہے اور پھر یہ استعمال جدید سطح تک پہنچا ہے اسے تحقیقی اور تجزیاتی انداز میں پیش کیا جائے، تاکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کے مثبت استعمال میں امت مسلمہ اپنے تشکیلی مراحل میں بھی کامیاب رہے۔

اس ضرورت واہمیت کے پیشِ نظر اس طاقتور ترین ہتھیار کو مسلمان سلیقہ مندی سے استعمال کریں اور غیروں کی تقلید سے آزاد ہو کر اسلامی معاشرے کی اصلاح، استحکام اور مسلم قوت کے حصول کا ذریعہ بنائیں۔ مسلم سماج میں جو خرافات اور توہم پرستانہ نظریات موجود ہیں، ان کے ازالے کے لئے اس کا استعمال ممکن بنائیں۔ اس طرح

اسلام کے خلاف اٹھائے گئے اعتراضات اور منفی پروپیگنڈہ کا جواب بھی اس کے ذریعے احسن انداز سے دیا جاسکتا ہے۔لہذا زیرِ نظر مقالہ میں جہاں میڈیا کی عصری ضرورت و اہمیت پر بحث کی گئی ہے وہاں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا مثبت استعمال اور انداز بھی بیان کیا گیا ہے اس سے معاشرے میں خصوصا سوشل میڈیا کے استعمال کے لیے نفسی اور سلفی خیالات و انداز پروان چڑھ رہے ہیں اُن کو روکا جاسکے۔ دین کے مطابق میڈیا کے استعمال کی اگاہی پیش کی جائے۔ تاکہ غیر اسلامی میڈیا کے استعمال کے نقصانات سے معاشرے میں ہونے والی خرابیوں سے بھی اگاہی پیش کی جائے۔

معاشرہ کا معنی و مفہوم

اردو زبان میں معاشرے کے لیے"سماج، جماعت، سوسائٹی، ماحول، بیت اجتماعی، تہذیب، تمدن، اجتماعیہ"1

"(م۔عا۔ش۔رہ)(ع۔صفت)"

جماعتی زندگی جس میں ہر فرد کو رہنے سہنے اپنی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے دوسروں سے واسطہ پڑتا ہے"2

"معاشرہ کے لغوی معنی مل جل کر زندگی بسر کرنا"3

"معاشرہ، سماج، سوسائٹی، رفاقت، لوگوں کا گروہ جو کسی مشترکہ مقصد کے لیے باہم متحد ہو خصوصا ادبی، سائنسی، سیاسی، مذہبی، فلاحی مقاصد یا شادمانی وغیرہ کے لیے"4

"(م۔ع۔ش۔ر) سماج، سوسائٹی (صفت۔معاشرتی)"5

"آپس میں مل جل کر زندگی گزارنا کسی کے ہمراہ عیش کرنا"6

معاشرہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کا اصل مادہ "ع ش ر" ہے۔اس کا لغوی معنی ہے کہ کسی کے ساتھ مل کر رہنا اور کسی کا ساتھی بن کر زندگی گزارنا"۔7

اسی سے "معشر" کا لفظ ہے۔ معشر اس جماعت کو کہتے ہیں جس کے افراد کسی خاص مقصد کے لیے جمع ہوئے ہوں، جیسے:معشر المسلمین اورمعشر الجن و الانس8 وغیرہ۔

معاشرے کے لیے انگریزی میں لفظ " سوسائٹی (socity) استعمال کیا جاتا ہے ۔جو لاطینی زبان کے لفظ (cocicoud) سے ماخوذ۔ سوسائٹی کے لفظی معنی ہیں۔ گروہ، قوم، جماعت، مجلس، طرز زندگی9

اسی طرح آکسفورڈ ڈکشنری میں ہے:

‘‘The system or mode of life adopted by a body of individuals for the purpose of harmonious co-existence or for mutual benefits, defence, etc’’ 10

(زندگی گزارنے کا وہ طریقہ جو کچھ لوگوں نے باہمی تعاون، فائدے اور دفاع وغیرہ کے لیے اختیار کیا ہو)

"Anumber of persons associated togather by some common interest or purpose, united by a common vow, holding the same belief at opinion, following the same trade or professin[11] "

(کچھ لوگ خاص مقصد یا مشترکہ مفاد کے لیے جن کا یقین یا رائے یا خیالات کاروبار اور پیشہ ایک ہونے پر متحد ہو تے ہوں)

معاشرہ اہمیت و ضرورت

قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق انسانیت کی ابتداء حضرت آدمؑ سے ہوئی اسی طرح حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کے جسم سے پیدا فرمایا، دونوں کچھ مدت کے لیے جنت میں رہے اور اس کے بعد زمین پر اتار دیے گئے ۔[12] دونوں نے دنیاوی زندگی کا آغاز کیا۔ ان کی نسل زمین پر بڑھنی شروع ہوئی اور یہاں سے انسانی معاشرے کی ابتداء ہوئی۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾[13]

(اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت کو پھیلایا اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور رشتوں سے بھی۔ بے شک اللہ تم پر نگران ہے)

قرآن کریم میں بیان کردہ انسانی زندگی کی ابتداء سے ملتا جلتا تصور دیگر الہامی مذاہب کی کتب میں بھی ملتا ہے:

Adam was first formed then Eve[14]

پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پھر حضرت حوا علیہا السلام کو بنایا گیا

Adam called his wifs name Eve because she was the mother of all living[15]'

(حضرت آدم نے اپنی بیوی کو حوا کہا کیونکہ وہ تمام انسانیت کی ماں تھیں)

انسانی معاشرہ وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ کر خاندان، گروہوں، قبیلوں اور اقوام کے روپ میں سما گیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے حضرت آدمؑ کو زمین پر اتارتے وقت معاشرتی اصول و ضوابط نازل فرمانے کا وعدہ فرمایا اور ان اصول و ضوابط کو اپنانے پر زور دیا تاکہ انسانی معاشرہ مستحکم رہے اور اس میں بگاڑ نہ پیدا ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[16]

(اب ہو گا یہ کہ تمہارے پاس میری طرف سے ضرور ہدایت آئے گی پس جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہو گا اور وہ غمگین ہوں گے)

معاشرے کے ارتقاء اور وسعت کے ساتھ ساتھ ان اصول وضوابط میں تبدیلی ہوتی رہی۔ جب تک انسانی معاشرہ اللہ کے نازل کردہ اصول وضوابط کا پابند رہا وہ خوشحال اور کامیاب رہا اور جب کبھی انسانی معاشرے میں اصول وضوابط سے روگردانی ہوئی تو معاشرے میں بگاڑ اور فساد نے جنم لیا۔

ہر دور میں دانشور اور اصحاب بصیرت فساد زدہ معاشرے کی اصلاح کے لیے سوچ وبچار کر کے اسے تباہی وبربادی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ لیکن بہت کم ایسا ہوا کہ کسی مصلح اور دانشور نے صحیح سمت کی نشاندہی کی ہو۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ان کے پیش کردہ نظریات ایک دوسرے سے متصادم اور الجھاؤ کا سبب بنے رہے۔

"یورپی معاشرہ میں مذہب کے عمل دخل کو اس حد تک سکیڑنے کا سبب یہ ہے کہ وہاں پاپائیت جو مذہبی تسلط کی نشاندہی کرتی تھی بری طرح ناکام ہوئی، کلیسا کے پادریوں کی بدعنوانیوں اور بنیاد پرستیوں سے تنگ آکر یورپ کے دانشوروں اور اصحاب بصیرت نے نشاۃ ثانیہ کو ضروری سمجھا اور یوں معاشرتی زندگی میں مذہب کا عمل دخل بالکل محدود کر دیا گیا"۔17

افراد کے باہمی تعاون، اعتماد، اور ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے کہ ان افراد کے درمیان ایک مضبوط رشتہ استوار ہو۔ اس مضبوط رشتہ کی استواری کے لیے ان کے درمیان عقائد، نظریات، اقدار اور رسوم ورواج کا اشتراک بہت ضروری ہے۔

"Society: probably the most frequent use of the word today is in reference to the totality of human beings on earth together with their culture, institutions, skills, ideas and values18 ''

(معاشرہ انسانوں کے جمگھٹے یا بھیڑ کا نام نہیں بلکہ اس سے ہم خیال، ہم فکر، اور باہم پیوستہ انسانوں کا اجتماع مراد ہے جس میں سوشل لین دین اور میل ملاپ ہو، جو ایک علاقہ میں رہتے ہوں، جن کی پہچان ایک ہو اور جو مشترکہ ثقافت کے مالک ہوں)۔

"وسیع مفہوم میں معاشرہ یا سوسائٹی یا انسانی تنظیم کو کہتے ہیں ایک ایسی انسانی تنظیم جسے ہم خیال افراد نے بنایا ہو اور ان کے باہمی روابط اور تعاون سے اسے غذا ملتی ہو۔ تنظیم میں افراد آپس میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں ان کے مقاصد میں وحدت ہوتی ہے اور ان کے مفاد بھی یکساں ہوتے ہیں"۔19

ابن خلدون کہتے ہیں: ''بغیر آپس کی مدد کے انسان کو نہ تو روزی میسر آسکتی ہے نہ وہ اپنی زندگی برقرار رکھ سکتا ہے اللہ تعالی نے اس کی تخلیق ایسی فرمائی ہے کہ بغیر غذا کے اس کو چارہ نہیں اور بلا ہتھیار سازی کے بھی اس کا بچاؤ مشکل ہے کیونکہ اس صورت میں وہ حیوانات کا لقمہ ہو جائے اور جب اس کو ہم جنسوں سے معاونت نصیب ہو گی تو وہ غذا بھی حاصل کر سکے گا وہ دفاعی ہتھیار بھی اس کے لیے مہیا ہو سکیں گے اور نوع انسانی امن و حفاظت کی زندگی بسر کر سکے گی''۔[20]

معاشرے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ معاشرہ انسان کی مندرجہ ذیل خطوط پر رہنمائی کرتا ہے۔

سماجی تربیت

فرد سماجی تربیت حاصل کر کے ہی کامیاب زندگی گزار سکتا ہے اور یہ سماجی تربیت معاشرہ کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ معاشرہ اپنی مختلف اکائیوں کے ذریعہ جن میں خاندان اور پڑوس شامل ہیں فرد کو سماجی تربیت فراہم کرتا ہے۔

بنیادی ضروریات

معاشرہ فرد کی بنیادی ضروریات (غذا، تحفظ، رہائش اور تعلیم) شامل ہیں تکمیل کرتا ہے۔ فرد تنہا اپنی یہ ضروریات پوری نہیں کر سکتا۔

افراد کی یکجہتی

افراد معاشرہ کے ذریعہ ہی مل جل کر رہنا سیکھتے ہیں۔ معاشرہ اپنے افراد کے درمیان یگانگت و یکجہتی قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ معاشرہ میں امن وامان اور رساز گار ماحول قائم رہ سکے۔ کیونکہ یکجہتی واتحاد کے ذریعے ہی افراد ترقی کی منازل طے کرتے ہیں۔

تحفظ

انسان تنہا زندگی گزارنے میں مختلف خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا وہ اکیلا تمام خطرات کا مقابلہ نہیں کر سکتا معاشرہ اپنے افراد کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرتا ہے اپنے افراد کے جانی ومالی تحفظ کے لیے قوانین تشکیل دیئے جاتے ہیں۔

گروہی جبلت کی تسکین

"انسان فطرتاً گروہ پسند واقع ہوا ہے وہ گروہی جبلت رکھتا ہے۔ تنہائی کا احساس اس شخصیت میں خامیاں پیدا کر دیتا ہے وہ غیر مطمئن زندگی گزارتا ہے۔ معاشرہ گروہی جبلت کی تسکین کا سامان پیدا کرتا ہے معاشرہ مختلف افراد اور گروہ فرد کی گروہی جبلت کی تسکین کرتے ہیں"۔[21]

معاشرت و مناکحت کے معنی

"معاشرت کے لفظی معنی آپس میں مل جل کر رہنے سہنے اور زندگی گزارنے کے ہیں اور مناکحت کے معنی جوڑنے اور ملانے کے ہیں۔ اور شریعت میں معاشرتی احکام اور قانون مناکحات سے مراد وہ احکام ہیں جن میں آدمی کو رہنے سہنے اور خاندانی تعلقات اور رشتوں کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کا طریقہ بتایا جائے"۔[22]

"معاشرت کے معنی ہیں مل جل کر رہنا، یعنی جن لوگوں کیساتھ آدمی کی خانگی یا شہری تعلقات ہوں ان کے ساتھ مناسب سلوک کرے۔ شریعت نے معاشرت کے متعلق انسان کو ایسی تعلیم دی ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس کی سب سے زبردست اور کافی دلیل یہ ہے کہ اسلام نے عرب جیسی جاہل اور بادیہ نشین قوم کو تہذیب و تمدن میں وہ کمال عطا کیا کہ عرب کی اسلامی معاشرت اس زمانہ کی تمام قدیمی مہذب و متمدن اقوام کے لئے دستور العمل بن گئی"۔[23]

اسلام چوں کہ رہتی دنیا کے لیے ایک جامع کامل و اکمل دین اور دستور حیات بن کر آیا ہے؛ اس لیے اس میں میڈیا کے حوالے سے بھی ضابطہ و قانون موجود ہے، اسلام میں میڈیا کی کتنی اہمیت ہے اور ان ذرائع ابلاغ کو انسانی زندگی میں کتنا بڑا اور اہم مقام حاصل ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمیں ان آیات و روایات کا مطالعہ اور ان کے مفاہیم میں غور کرنا چاہیے، جن سے اسلام کے داعیانہ پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔

﴿أُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ﴾[24]

(اپنے رب کی راہ کی طرف بلائیں)

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾[25]

(تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے)

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾[26]

(اور نصیحت کرتے رہیں یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی)

اسلام کے جس آفاقی پیغام کے ابلاغ وترسیل کا امت مسلمہ کو حکم دیا گیا ہے، کیا اس وسیع اور عالمی پیمانے پر دعوت وارشاد، سائنس وٹیکنالوجی کے اس دور میں ذرائع ابلاغ کے سہارے کے بغیر ممکن ہے؟ اسلامی نظریۂ ابلاغ کسی انسانی فکر کا اختراع یا محض عقلی بنیادوں پر انسانوں کا تیار کردہ نہیں ہے، بلکہ وہ قرآن وحدیث سے ماخوذ ومستنبط ہے۔ انسان کی فطری آزادی سے لے کر ذرائعِ ابلاغ کی آزادی تک کا سارا نظام عمل ان ہی اسلامی احکامات وہدایات پر مبنی ہے۔ اسلامی نظریۂ ابلاغ میں جہاں ذرائع ابلاغ کو اظہار رائے کی آزادی دی گئی ہے، وہاں اس کو بہت سی اخلاقی شرائط اور سماجی ومعاشرتی قوانین کا پابند بھی بنایا گیا ہے تاکہ دیگر اسلامی نظریات کی طرح یہاں بھی توازن واعتدال برقرار رہے۔ اسلامی نظریۂ ابلاغ میں نہ مقتدرانہ نظریۂ ابلاغ کی طرح انسانوں کی آزادی کو مکمل طور پر سلب کیا گیا ہے اور نہ ہی آزاد پسندانہ نظریۂ ابلاغ کی طرح ایسی آزادی دی گئی ہے کہ فرد کی آزادی کے پردے میں دوسرے انسانوں کی آزادی پر انگشت نمائی کی جائے اور ان کی پرائیویٹ اور نجی زندگی (Personal Life) میں بھی مداخلت کی جائے۔ اگر اظہار رائے کی آزادی کی آڑ میں ذرائع ابلاغ کے اس سرکش گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے، تو یہ ایمانیات کے ساتھ انسانوں کی اخلاقیات کو بھی پیروں تلے روند کر رکھ سکتا ہے۔

اسلام میں اظہار رائے کی آزادی محض ایک انسانی حق ہی نہیں؛ بلکہ یہ امتِ مسلمہ اور ذرائعِ ابلاغ کا ایک دینی اور اخلاقی فریضہ بھی ہے؛ اس لیے نہ کوئی فرد، نہ کوئی حکومت اور نہ ہی کوئی ادارہ انسانوں سے ان کی فطری آزادی کو سلب کرسکتا ہے، اور نہ اس کو چیلنج کرسکتا ہے؛ البتہ اتنی شرط ضرور عائد کی جائے گی کہ کوئی بھی ذریعۂ ابلاغ ایسی خبر یا بات کی تشہیر نہ کرے، جس سے مفادِ عامہ کو زد پہنچے، جو انسانی اقدار کے منافی ہو، اور جس میں انسانیت اور انسانی سماج کی تعمیر کے بجائے تخریب کے عوامل پنہاں ہوں۔ اسلام میں ذرائع ابلاغ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے عوام الناس تک سچی اور صحیح خبر پہنچائی جائے۔ ذرائع ابلاغ سچ کے اظہار میں کسی لالچ یا مداہنت کا شکار نہ ہوں۔ ذرائعِ ابلاغ صرف ایسی معلومات کی اشاعت کرے، جن سے سامعین اور قارئین کے اندر نیکی اور تقویٰ کا عنصر پیدا ہو۔ وہ کسی ایسی خبر کی اشاعت سے باز رہیں جس کا مقصد دوسروں کی دل آزاری یا دوسرے ادیان وملل کی تحقیر ہو۔

ذرائع ابلاغ کے اسلامی اصول

مذہب اسلام کسی ایسے ہی میڈیا کا خواہاں بھی ہے اور اسی کی مدح سرائی بھی کرتا ہے۔ اگر آج کے ذرائع ابلاغ کو اسلامی تعلیمات کے مطابق استوار کیا جائے تو معاشرے کو اسلامی بنیادوں پر قائم کیا جاسکتا ہے جن کو درج ذیل بنیادوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

فکر و نظر کی آزادی

اسلام نے فکر و نظر کی آزادی کے ساتھ ہمیشہ آزادیِ رائے کا احترام کیا ہے اور ہر کس و ناکس کو اپنی بات رکھنے کا فطری حق دیا ہے۔ عہدِ نبوی اور خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر، عہدِ بنی امیہ اور بنی عباسیہ تک کی پوری اسلامی تاریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے کس درجہ شدت کے ساتھ حریتِ رائے کے تصور کی پرورش کی ہے اور اس کو انسانی معاشرے کا لازمی جز بنانے کی سعی کی ہے۔ اسلام نے صرف آزاد مرد و خواتین ہی نہیں؛ بلکہ غلاموں کو بھی اس حق سے محروم نہیں رکھا ہے۔ ذرا غزوۂ احد کا وہ واقعہ اپنے ذہنوں میں تازہ کیجیے جب جلیل القدر صحابہ کرام کی یہ رائے تھی کہ کفارِ مکہ سے جنگ کے لیے مدینے سے باہر نکلنا مناسب نہیں ہے اور یہیں رہ کر جنگ کی جائے؛ لیکن معقول اسباب کی بنیاد پر چند نوجوانوں کی یہ رائے تھی کہ جنگ کے لیے مدینے کی آبادی سے باہر نکلنا زیادہ مناسب ہے۔ اسی طرح غزوۂ خندق کے موقع پر مدینے سے باہر خندق کھودنے کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی عمل نہیں تھا، بلکہ صحابہ کرام اور حضرت سلمان فارسی کے باہمی مشورے سے خندق کھودی تھی۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر جنگی قیدیوں کے قتل اور انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دینے کے بارے میں مختلف الرائے تھے۔ اسلام میں فکر و نظر کی آزادی کا ہی دین ہے کہ ایک عام آدمی بھی اپنے خلیفہ کا دست و بازو پکڑ سکتا ہے۔ اور جب ایک قبطی نے حضرت عمر بن عاص اور ان کے بیٹے کی شکایت دربارِ عمری میں پیش کی تھی تو حضرت عمر نے نہ صرف یہ کہ اس غلام کو فوری انصاف دلایا تھا؛ بلکہ انھیں سخت ڈانٹ بھی لگائی تھی۔

اسلام میں قیاس کو چوتھا فقہی اصول قرار دیا گیا ہے، فقہاء اور ائمہ کے درمیان مسائل میں اختلافِ اظہار رائے کی آزادی کی ایسی مثال ہے، جس سے دوسرے مذاہب و ادیان تہی دست ہیں۔ فقہ میں جہاں چار بڑے مسالک کے ماننے والے، دنیا کے مختلف گوشوں میں کہیں کم تو کہیں زیادہ موجود ہیں، وہیں فقہِ اوزاعی، فقہِ داؤد ظاہری اور فقہِ جعفری وغیرہ بھی روئے زمین پر موجود ہیں، جن کی تقلید کرنے والوں کو نہ تو کم تر سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی اقلیت اور اکثریت کی مذموم بنیاد پر ان سے تعرض کیا جاتا ہے۔ فقہ میں تو هم رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ کا اصول چلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی استاد کے مختلف شاگردوں نے دلائل کی بنیاد پر اپنے استاد کے نظریے سے اختلاف کیا ہے؛ بلکہ حدیث کے مطابق کسی غیر منصوص مسئلے میں غور و فکر کرنے والے ہر مجتہد کو اجر سے نوازا جاتا ہے، اگرچہ اس کا اجتہاد غلط ہی کیوں نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ اسلام آزادیِ فکر و نظر کا امین اور نقیب ہے۔ اس میں ہر شخص کو اپنی رائے دینے کا حق حاصل ہے؛ بشرطیکہ اس کی رائے نصِ صریح سے متصادم نہ ہو۔

ذیل کی سطروں میں ان چند آزادیوں سے بحث کر رہے ہیں، جو اسلام نے فکر و نظر اور اظہار رائے کی آزادی کے تحت ذرائع ابلاغ کو عنایت کی ہیں۔

حکومتِ وقت سے سوال اور باز پرس کرنے کا حق

اسلامی نظریۂ ابلاغ کے مطابق صحافی اور اخبار نویس کو ملک کی سب سے بڑی اتھارٹی سے بھی سوال کرنے کا حق ہے۔ ایک صحابی نے حصرت عمر سے بھری مجلس میں یہ سوال کیا تھا کہ ہر صحابی کو تو مال غنیمت سے ایک چادر ملی ہے، آپ کے بدن پر یہ دو چادر کیسی ہے؟ تو حضرت عمر نے خلیفہ ہونے کے باوجود اس پر ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا اور انتہائی سنجیدگی سے یہ جواب دیا تھا کہ ایک چادر تو میرے حصے کی ہے اور دوسری چادر میرے بیٹے کے حصے کی ہے۔ اس سے بڑی آزادی کیا کسی جُمہوری ملک میں بھی کسی فرد یا ادارے کو میسر ہے۔ یہ صرف اسلام کا امتیاز ہے ۔ اسلام نے ہمیشہ شورائی نظامِ فکر و عمل کی حمایت اور حوصلہ افزائی کی ہے، جُمہوری نظام میں جہاں ریاست اور ملک کے ہر کس و ناکس کو حکمرانوں کے انتخاب کا قانونی حق حاصل ہوتا ہے، وہیں شورائی نظام میں یہ تعداد کم ہو جاتی ہے۔ شورائی نظام میں ہر فرد کی شرکت ضروری نہیں، بلکہ صرف اہل الرائے لوگ انتخاب کا قانونی حق رکھتے ہیں۔ شورائی نظام کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہی بہت سے عرب ممالک میں فکر و نظر کی آزادی حاصل نہیں ہے۔ عوام حکومتِ وقت کے خلاف لب کشائی کی جر اَت کرنے سے محروم ہیں۔ فکر و نظر کی آزادی کو سلب کرنے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج بہت سے ممالک قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود دوسرے ممالک کے دست نگر اور محتاج بنے ہوئے ہیں اور وہاں کی فکری اور تخلیقی صلاحیتیں دوسرے ملکوں کے کام آ رہی ہیں۔ ان ممالک میں کسی ایسی چیز کی اشاعت کا حق فرد کو حاصل نہیں ہے، جس سے حکومت کی پیشانی پر بل آتا ہو۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنی تحریروں اور اپنے افکار و نظریات سے عوام کو روشناس کرانے کے لیے امریکہ اور یورپ کے ممالک کا رخ کرتے ہیں، جہاں ان کے خیالات و نظریات کا فراخ دلی سے استقبال کیا جاتا ہے۔ علمی تحقیق اور فکری پرورش کے لیے آزادیِ اظہار کی سہولت ناگزیر ہے۔ ہم چند صدیاں پہلے اگر دنیا کے نقشے پر چھائے ہوئے تھے اور نئی نئی تحقیقات سے دنیا کو روشناس کرا رہے تھے تو اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ہمارے یہاں اختلاف اور اظہار مافی الضمیر کی آزادی ہر کس و ناکس کو میسر تھی۔

ظلم اور ناانصافی کے خلاف احتجاج کی آزادی

اسلام نے فرد کے ساتھ ادارے اور ذرائع ابلاغ کو جتنی آزادیاں دی ہیں، ان میں ایک اہم حق احتجاج کا حق بھی ہے۔ ذرائع ابلاغ کو جہاں کہیں بھی ظلم اور ناانصافی ملے، اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے اور مظلوموں کی حمایت میں انسانی غیرت اور حمیت کا ثبوت دینا چاہیے۔ قرآن کریم کی آیت ہے:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ[27]۔

حدیث شریف ہے۔

مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ، فَبِلِسَانِهٖ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْاِيْمَانِ[28]۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

أَفْضَلُ الْجِهادِ كَلِمَةُ حَقٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ[29]۔

مناظرے اور باہمی تنقید کی آزادی

آج کل کے اخبارات اور نیوز چینلز کا یہ خاص وطیرہ بن گیا ہے کہ وہ چند ماہرین کو بلا کر کسی خاص موضوع پر مباحثے اور مناظرے کراتے ہیں، اس مباحثے میں موضوعات کی تحدید نہیں ہوتی، اس کا موضوع سیاسی بھی ہوتا ہے اور سماجی بھی، مذہبی بھی ہوتا ہے اور تعلیمی بھی۔ اس قسم کے مباحثوں میں ایک فریق دوسرے فریقِ مخالف کو شکست دینے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے فریقِ مخالف پر جرح وتنقید سے بھی کام لیتا ہے۔ اسلام نے اس قسم کے مباحثے اور مکالمے کی آزادی دی ہے، بشرطیکہ اس میں کسی قسم کے خلافِ شرع امر کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔ اور تنقید وجرح تعمیری ہو، تخریبی نہ ہو۔ بات وزن دار ہو، دلائل سے مزین ہو، اس سے کسی کے مذہبی جذبات مجروح نہ ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا أَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾[30]

اہل کتاب سے احسن طریقے سے مجادلہ کرو

آیت میں اگرچہ خطاب یہود سے ہے؛ لیکن اس کے عموم پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔

شہادت کی آزادی

ذرائع ابلاغ کی وساطت سے منظرِ عام پر آنے والی خبروں کا اتنا اثر ہوتا ہے کہ مقامی انتظامیہ سے لے کر ریاستی اور مرکزی حکومت بھی حرکت میں آجاتی ہے اور اس کی بنیاد پر کارروائی کرنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ روزانہ ایسے کتنے معاملات ہماری نظروں سے گزرتے ہیں، جن میں حکومت میڈیا میں شائع ہونے والی خبروں کی وجہ سے مجرمین کو سلاخوں کے پیچھے ڈال دیتی ہے اور اگر کسی بے قصور شخص کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور میڈیا والے اس کی بے گناہی پر کوئی خبر یا مضمون چھاپ دیتے ہیں، تو حکومت اس بات پر مجبور ہوتی ہے کہ وہ اس شخص کو بری کر دے۔ شہادت اور گواہی کی اس اہمیت اور تاثیر کو مدنظر رکھتے ہوئے ذرائع ابلاغ کو کسی کی حمایت یا کسی مجرم کی مخالفت میں گواہی دینے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اسلام نے شہادت کو چھپانے والے کو سخت وعید اور دھمکی دی ہے۔

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾[31]

(اور گواہی مت چھپاؤ اور جو کوئی اس کو چھپائے گا تو اس کا دل گناہ گار ہے اور اللہ تعالی جو تم عمل کرتے ہو جاننے والا ہے)

اقرباء اور رشتے داروں کے خلاف گواہی دینے کی آزادی بھی ذرائع ابلاغ کو حاصل ہے، جس کا اظہار کرنا ضروری ہے۔ چاہے وہ اس کے اقربا اور رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ شریعت اسلامیہ کا حدود و تعزیر پر مبنی نظامِ عدل و انصاف کی روشنی کا ایک مینارہ ہے، جس میں اشراف و ارذال، بادشاہ و رعایا اور امیر و غریب سب برابر ہیں۔ اس نظام میں ہر حق دار، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، کے حق کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس نظام میں نہ کسی پر ظلم و زیادتی ہوگی، نہ استحقاق سے زیادہ اس کو سزا دی جائے گی۔ ذرائع ابلاغ کو چاہیے کہ وہ کسی مفسدے سے عوام کو باخبر کرنے اور کسی جرم اور بدعنوانی کا پردہ فاش کرنے میں مداہنت اور مصالحت سے کام نہ لیں؛ کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾[32]

(اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے، چاہے وہ گواہی تمھارے اپنے خلاف پڑتی ہو، یا والدین اور قریبی رشتے داروں کے خلاف۔ وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینے کا حکم دیا جارہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے، لہذا ایسی نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو تمھیں انصاف کرنے سے روکتی ہو)

جرائم کا پردہ فاش کرنے کی آزادی

اسٹنگ آپریشن میڈیا والوں کا آج کا محبوب مشغلہ ہے۔ کسی کی شبیہ مسخ کرنا ہو تو وہ اسٹنگ آپریشن کا سہارا لیتے ہیں۔ اسلام نے کسی کی نجی زندگی میں تو مداخلت سے منع کیا ہے؛ لیکن اگر کسی شخص کے حرکت و عمل سے مفادِ عامہ پر ضرب پڑتی ہو تو ایسے جرم کا پردہ فاش کیا جاسکتا ہے۔ بنگارو لکشمن کی رِشوت سِتانی کا معاملہ ہو یا پارلیمنٹ میں ووٹ فار کیش کا معاملہ یا نیرا راڈیا والا کیس؛ ان سارے مقامات پر میڈیا کے جرأت مند رپورٹرس نے ان کے چہرے سے نقاب اتار کر ملک اور قوم کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔ قرآن کریم میں کسی کی ٹوہ میں لگنے سے منع کیا گیا ہے؛ لیکن اگر کسی مشتبہ شخص کے بارے میں معتبر ذرائع سے معلوم ہو جائے کہ وہ کوئی خطرناک کام کرنے جارہا ہے، تو اس کے جرم کو طشت از بام کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ گھروں میں جاسوسی کے آلات نصب کرنے، کسی شخص کے ٹیلی فون کال ٹیپ کرنے وغیرہ اس قسم کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں، ان پر اسی حکم کا اطلاق ہوگا۔

اگر آثار و قرائن سے کسی ممنوع اور مخالف شریعت امر کا علم ہو جائے، تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک # یہ کہ اس کی تلافی بالکل ممکن نہ ہو۔ جیسے یہ کہ کوئی اجنبی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں ہے، یا کوئی شخص کسی آدمی کے قتل کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ تو ایسی صورت میں ایک صحافی اور رپورٹر تحقیق اور تجسس کر سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ جرم اس سے کمتر درجے کا ہو۔ اور اس کا جرم متعدی نہ ہو۔

حمایت و مخالفت کا اسلامی اصول

ذرائع ابلاغ پروپیگنڈہ اور تشہیر کا مضبوط وسیلہ ہیں۔ عوام ذرائع ابلاغ میں شائع ہونے والی رپورٹ اور تجزیوں کی بنیاد پر بہت سے فیصلے کر لیتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ عوام کی ذہن سازی میں کلیدی رول ادا کرتے ہیں۔ حمایت و مخالفت کی مختلف شکلیں اس وقت دیکھنے کو ملتی ہیں، جب ملک میں اسمبلی یا لوک سبھا کے انتخابات ہونے والے ہوتے ہیں۔ اس وقت اشتہارات مضامین اور خبروں اور تبصروں کی وساطت سے اپنے پسندیدہ امیدوار کی حمایت اور فریقِ ثانی کی مخالفت کا بازار گرم نظر آتا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ نے حمایت و مخالفت کا بھی اصول متعین کر دیا ہے۔ کسی سے محبت بھی ہو تو اللہ کے لیے اور کسی سے بغض و عداوت بھی ہو تو اللہ کے لیے۔ حمایت و مخالفت کو سفارش کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ کسی کی سفارش اسی بنیاد پر کی جائے کہ وہ شخص واقعی اس عہدے یا مرتبے کا مستحق ہو۔

لیکن ذرائع ابلاغ کو ان امور میں سفارش سے باز رہنا چاہیے جن کا تعلق حدود وقصاص سے ہے۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ قریشیوں کے ہاں ایک مخزومی عورت کا معاملہ پیش آیا، اس نے چوری کی تھی۔ قریشیوں نے کہا کہ اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کرے گا۔؟(یعنی ہاتھ نہ کاٹنے کی سفارش کون کرے گا؟)لوگوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی جرأت کون کرے گا؛ البتہ اسامہ بن زید بات کرسکتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے ہیں۔ چناں چہ حضرت اسامہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کررہے ہو؟ پھر کھڑے ہوئے اور خطبہ دے کر فرمایا: تم سے پہلے کی امتیں اسی لیے ہلاک ہوئیں کہ ان لوگوں میں جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اس چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی ان میں کا کمزور چوری کرتا تو وہ اس پر حد قائم کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی، تو میں اس کا ہاتھ کاٹوں گا[33]۔

فریقِ مخالف کے لیے کوئی ایسا نازیبا لفظ استعمال نہ کیا جائے کہ وہ اس کے جواب اور ردِ عمل کے طور پر ایسا جواب دے، جس سے آپ کی توہین یا تضحیک ہوتی ہو۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[34]

اور نہ تم ان کو گالی دو جو اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ اللہ کو دشمنی میں بغیر علم کے گالی دیں گے

بااثر افراد کے خلاف اظہارِ رائے کی آزادی

آج کے جتنے ذرائع ابلاغ ہیں، ان پر چند بااثر افراد یا سیاست دانوں کا کنٹرول ہے۔ آج کل کے اخبارات کارپوریٹ گھرانے نکالتے ہیں، نیوز چینلز پر بھی انھی کا مالکانہ کنٹرول ہے۔ جو کسی نہ کسی سیاسی پارٹی سے سمجھوتہ کرکے ان کی تشہیر اور حمایت میں فضا ساز گار کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ ااور مشہور صحافی سنتوش بھارتی کی مانیں، تو آج کا میڈیا بِکا ہوا ہے۔ اس نے اپنی بولی لگادی ہے۔ آج کا میڈیا صرف اسی خبر کو مشتہر کرتا ہے، جس سے اس کے مخالف کی شبیہ شکنی اوراس کی شبیہ سازی ہوتی ہو۔ موجودہ عہد کے صحافی اور رپورٹران مشتبہ خبروں کو منظرِ عام پر لانے سے گھبراتے ہیں، جو بااثر افراد سے تعلق رکھتی ہیں؛ جب کہ اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس قسم کی خبروں کی اشاعت جس سے مفادِ عامہ وابستہ ہو اور اس سے کسی پر ذاتی تنقید اور کیچڑ اچھالنا مقصود نہ ہو، کو کسی ملامت اور خوف کی پرواکیے بغیر مشتہر کیا جائے۔ وہ اس خبر کی اشاعت میں اس شخص، ادارے، تنظیم، حکومت کے اثرو رسوخ، جنگی ساز وسامان، طاقت و قوت اور فوجی طاقت کو خاطر میں نہ لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَلاَ لاَ يَمْنَعَنَّ رَجُلاً هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُوْلَ بِحَقٍّ إِذَا عَلِمَه[35]

(خبر دار! جو تم کسی شخص کے اثر ورسوخ کی وجہ سے حق کے اظہار میں تردد سے کام لو)۔

بامقصد تفریح کی آزادی

اسلام نے حیا سوز اور انسانی معاشرے پر بُرا اثر مرتب کرنے والے تفریحی پروگرام کی اجازت تو نہیں دی ہے، جیسا کہ آج کل کے تجارتی چینل کا یہ ذہن بن گیا ہے کہ وہ تفریح کے نام پر ہر قسم کے ماورائے اخلاق پروگرام پیش کرتے رہتے ہیں اور اس کو تفریح اور ذہنی تسکین کا ذریعہ قرار دیتے نہیں تھکتے۔ لافٹر انڈیا، ڈانس انڈیا ڈانس ،بگ باس اور مختلف ریئلٹی شوز پر جس قسم کے بے سروپا پروگرام کے ذریعے ذہنی آسودگی کا دعویٰ کیا جاتا ہے، وہ ہمارے معاشرے اور بچوں پر منفی اثرات مرتب کر رہے ہیں۔ اور معصوم ذہنوں کو پراگندہ کر رہے ہیں۔ ذہنی آسودگی کے لیے اسلام نے تفریحی پروگرام اور مزاحیہ لٹریچر بھی شائع کرنے کی اجازت دی ہے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مزاح فرمایا ہے۔ جو مزاح نگاری اور فکاہیہ چینلز کے لیے اسوۂ حسنہ کا درجہ رکھتے ہیں؛ لیکن یہاں بھی وہی شرط ہے کہ یہ تفریح کسی کی دل آزاری کا سبب نہ بنے۔ جیسا کہ آج کل کے ریئلٹی شوز کا یہ وطیرہ بن گیا ہے کہ وہ تفریح کے نام پر ہمارے ذہنوں میں برائی اور بد اخلاقی کا زہر گھول رہے ہیں۔ راجو شری واستو، سنیل پال اور احسان قریشی جیسے انٹرٹینز تفریح کے نام پر دوسروں کی پگڑی اچھالنے کا جرم کرتے ہیں اور اس کو تفریح کے نام پر جواز کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ اسلام میں اسی تفریحی پروگرام کی اجازت ہے، جو طنز و تضحیک اور توہین پر منتج نہ ہو۔

اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہے ہیں) خود ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہی ہیں) خود ان سے بہتر ہوں۔ اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بہت بری بات ہے۔ اور جو لوگ ان باتوں سے باز نہ آئیں تو وہ ظالم لوگ ہیں[36]۔

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے[37]۔

مذاق اور تمسخر سے دشمنی سر ابھارتی ہے، اس سے لوگوں میں اختلاف اور تنازع کو ہوا ملتی ہے۔ ٹکراؤ اور تصادم کی آگ بھڑک اٹھتی ہے؛ اسی لیے علامہ عبد الرحمن سعدی نے لکھا ہے: تمسخر انھیں لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے، جن کا دل بُرے اخلاق و آداب کی آماجگاہ اور ساری مذموم خصلتوں کا مرکز ہوتا ہے[38]۔

ایسے تمسخر کی ممانعت کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہج واضح اور ٹھوس تھا، جس کا نتیجہ لوگوں کی توہین و تضحیک کی شکل میں بر آمد ہوتا ہو۔ ہم یہاں صرف دو مثالیں بیان کرنا چاہیں گے۔

پہلی مثال حضرت ابو ذر غفاری کی وہ روایت ہے کہ میں نے ایک آدمی سے گالم گلوچ کی اور اس کی ماں کو گالی دے ڈالی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: ابو ذر! کیا تم نے اس کی ماں کو گالی دی، بلاشبہ تم ایسے آدمی ہو، جس میں جاہلیت کی عادت ہے[39]۔

دوسری مثال حضرت عائشہ کی ہے وہ فرماتی ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت صفیہ کا فلاں فلاں عیب یعنی صفیہ کا پست قد ہونا کافی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! تم نے ایسی بات زبان سے نکالی ہے کہ اگر وہ دریا میں گھول دی جائے تو وہ دریا پر غالب آجائے۔ حضرت عائشہ نے کہا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کی نقل اتاری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ کسی انسان کی نقل اتاروں اگرچہ مجھے اتنا اتنا روپیہ ملے[40]۔

نتائج بحث

خلاصہ یہ کہ ذرائع ابلاغ کی مثال چھری کی ہے کہ اس کے ذریعے پھل بھی توڑا جاسکتا ہے اور کسی کی گردن بھی۔ وہ محتسب کا کردار ادا کر کے کسی کی جان اور عزت و آبرو بھی بچا سکتا ہے اور کسی رہزن کا بھیس بدل کر کسی کی جان اور عزت و آبرو سے کھیل بھی سکتا ہے۔ وہ ظلم و ستم اور جبر و تشدد کی حمایت اور بے حیائی اور بداخلاقی کا پرچار بھی کر سکتا ہے اور اصلاح و تبلیغ کے میدان میں مصلح و مبلغ کا رول بھی ادا کر سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ ذرائعِ ابلاغ فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے حسن و قبح اور جواز و عدم جواز کا دار و مدار اس کے استعمال اور نیت و مقصد پر موقوف ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ جہاں ذرائع ابلاغ کو اسلامی قانون اور ضوابط کی روشنی میں ملنے والے حقوق دیے جائیں، وہیں ان پر ایک محتسب اور نگران بھی مقرر کر دیا جائے۔ تا کہ میڈیا ہر قسم کی بے راہ روی اور انحراف سے دور رہ کر معاشرے کی تعمیر اور ترقی کے لیے کام کر سکے۔ میڈیا میں در آنے والی برائیوں اور بے راہ روی کی وجہ سے ہی پریس ایسوسی ایشن کو رہ نما اصول مرتب کرنا پڑتے ہیں۔ اور پریس کونسل کے چیئرمین کو میڈیا کے اہل کاروں کو کھری کھری سنانی پڑتی ہے؛ اس لیے یہ ضروری ہے کہ میڈیا ہر قدم پر بین الاقوامی ضابطۂ اخلاق کی پابندی کرتے ہوئے حقائق کی ایسی ترجمانی کرے کہ اس کے ذریعے ایک صحت مند، بد عنوانی اور ہر قسم کی برائی سے پاک معاشرے کی تعمیر و تشکیل میں رہ نمائی مل سکے۔ وہ خبروں کو نشر کرتے وقت فلاحِ عامہ اور انسانی عظمت و شرافت کا خیال رکھے۔ تعلیمی معلوماتی اور تفریحی مواد کی اشاعت کے وقت حزم و احتیاط کا دامن تھامے رکھے۔ مملکت اور ریاست کے حقوق اور اس کی عزت و توقیر کے تعلق سے اپنی ذمے داری

کا ثبوت دے، جنسی جرائم اور بے حیائی پر مبنی پروگرام کی اشاعت سے اجتناب کرے، تاکہ میڈیا کا صاف ستھرا چہرہ عوام کے سامنے آئے اور اس کی معتبریت پر حرف نہ آئے۔ متنازعہ امور کی رپورٹنگ کرتے وقت اس بات کا خاص طور پر دھیان رکھا جائے کہ اس سے کسی خاص فریق کی حوصلہ شکنی نہ ہو۔

تجاویز و سفارشات

اس تحقیق سے جہاں ذرائع ابلاغ کے استعمال کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے وہاں اس کے مثبت استعمال پر معاشرتی فائدہ اور منفی استعمال پر معاشرتی تخریب کاری کا خوف بھی ہے۔ لہذا ذیل میں میڈیا کو معاشرے کے لیے نفع بخش بنانے کے لیے چند سفارشات پیش کی جارہی ہیں:

1. ہر عمل میں منفی پہلو کا پایا جانا ایک فطری عمل ہے مگر اسے اسلامی اصول و ضوابط کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ میڈیا کو بھی اسلامی رہ نمائی کے ذریعے معاشرے کے لیے فائدہ مند بنایا جا سکتا ہے۔ ہر میڈیا پرسن کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔ حتیٰ کہ سوشل میڈیا کے استعمال کرنے والے عوام کو بھی اللہ کے دیے ہوئے نظام پر عمل کرنا چاہیے۔
2. میڈیا چینل کو اس سلسلے میں ضابطہ اخلاق وضع کر کے اس پر اپنے ملازمین کی ٹریننگ کرنی چاہیے۔ بلکہ اس کے لیے شارٹ کورس اور مخصوص نصاب ترتیب دیا جائے، اس نصاب سے گذارنے کے بعد افراد کو میڈیا چینل کا حصہ بنایا جائے۔
3. پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا ہر دو سطح کے الگ الگ کورس ترتیب دیے جائیں، پھر ماہرین ان کے استعمال کے طریقوں کے ساتھ ساتھ ضابطہ اخلاق کے طریقے بھی وضع کریں اور اپنے ممبران کو ان سے اگاہ کریں۔
4. پیمرا یا حکومتی سطح کے دیگر ادارے ان کورسز کو اپنے ہاں منظوری کا درجہ دیں اور حوصلہ افزائی کے لیے سرٹیفکیٹ اور ڈپلومہ جاری کیا جائے۔ پھر انھیں سرٹیفکیٹ اور ڈپلومہ رکھنے والے لوگوں کو ملازمتوں میں جگہ دی جائے۔
5. میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی ہر جہت میں احتساب کا نظام قائم ہونا چاہیے، اگر نظام پہلے سے موجود ہے تو اسے عملی صورت میں لانا چاہیے۔ خلاف ورزی کی صورت میں جرمانہ اور سزائیں جو متعین کی گئی ہیں انھیں لاگو کرنا چاہیے۔ پھر دی جانے والی سزاوں کو میڈیا میں اور پبلک میں تشہیر کرنا چاہیے۔ تاکہ آئندہ کے لیے کوئی دوسرا اس کے غلط استعمال سے باز رہے۔

6. عوامی سطح پر بھی سوشل میڈیا کے استعمال کے لیے ایک اگاہی تحریک پیدا کرنی چاہیے، جس میں مختصر تحریری پوسٹر اور ویڈیو کلپ کو شامل کیا جائے۔ پھر انھیں مختلف گروپوں میں پھیلا دیا جائے تا کہ لوگوں کے لیے رہ نمائی کا ساماں پیدا ہو۔

7. سب سے ضروری بات یہ ہے کہ لوگوں میں جواب دہی اور جواب طلبی کا احساس پیدا کیا جائے کہ جو آج پھیلا رہے ہو کل قیامت کے دن اللہ کے حضور اس کا جواب دینا ہو گا۔ جس میں ہاتھ، پاوں اور زبان بھی جواب دیں گے کہ ہمیں کہاں استعمال کیا گیا۔

حوالہ جات(References)

1۔ وراث سرہندی، **قاموس مترادفات**،(لاہور:اردو سائنس بورڈ،1986)،1173۔

Warith Sarhandī, *Qamūs Mutarādifāt*, (Lahore: Urdu Science Board, 1986), 1173.

2۔ فروز الدین، **فیروز اللغات اردو جامع**،(لاہور:فیروز سنز لاہور، س۔ن)،1099۔

Fairoz ud dīn, *Fairos al Lughāt Urdu Jame'*, (Lahore: Fairoz Sunz), 1099.

3۔ **اردو جامع انسائیکلوپیڈیا**،(لاہور:شیخ نیاز احمد اینڈ سنز، س۔ن)1582۔

Urdu Jame'Encyclopedia, (Lahore: Shaikh Niyaz Ahmad and Sunz,) 1582.

4۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، **قومی انگریزی اردو لغت**(اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم-1992ء)،860۔

Dr. Jamil Jalbi, *Qamī Augraizi-Udu Lughat*, (Islmabad: Muqtadirah Qaomī Zubān, 1992), 860.

5۔ شان الحق حقی، **فرہنگ تلفظ**،(اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان، طبع اول-2002ء)،472۔

Shan ul Haq Haqī, *Farhang Talaffud*, (Islmabad: Muqtadirah Qaomī Zubān, 2002), 472.

6۔ سید احمد دہلوی، **فرہنگ آصفیہ**(لاہور:سنگ میل پبلیکیشنز، طبع اول-2002ء)،3/368۔

Syed Ahmad Dehlvī, *Farhang Āsfiah*, (Lahore: Sang mil Bublications, 2002), 3/368.

7۔ أبو الحسن علي بن الحسن الهُنائي الأزدي، **المنجد في اللغة**،(القاهرة:عالم الكتب، الطبعة الثانية،1988)،507۔

Abu ul Hasan, Ali bin al-Hasan al-hinā'ī, *al-Munjad fī al-Lughah*, (Qario: 'Ālim al-Kutub, 1988), 507.

8۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب**(بیروت:دار صادر، الطبعة الأولى،1988)،مادۃ(ع ش ر)

Ibn Manzoor Muhmmad b. Mukaram, *Lisān ul 'arab*, (Bairot: Dār Sad, 1988).

9۔ سرہندی،734۔

Sarhandī, 734

10. Shorter, Oxford English dictionary, (Oxford:William Little, Clarendon Press,1997), 2/2020.

11. Oxford English dictionary, 11/913.

12۔ عبد الرحمان بن علی الجوزی، **زاد المسیر فی علم التفسیر**،(بیروت:دار الکتاب العربي، الطبعة الأولى-1422ھ)،1/68

Abdurrahman b. Ali al-Jozī, *Zad ul Masīr fī 'lm al-Tafsīr*, (Dār ul Kitab al-'arabī, 1422H.), 1/68

13۔ القرآن،4:01۔

Al-Qur'ān, 4: 01.

14. The Bible, (London: The Gideons international, 1971) Timothy 2: 13.

15. The Bible, Ganasis3:2015.

16۔ القرآن،2:38۔

Al-Qur'ān, 2: 38.

17. Hastings, James, *Encyclopedia of Religion and Ethics* (New York: Scribners Sons, 1928) 3/376.

18. *Social Thought in Blackwell Dictionary of Twentienth Century* (Oxford: William Clatwart Press, 1993), 626.

19. Edwin Robert & Anderson Seligman, *The Encyclopaedia of the Social Sciences* Ed.1967 (New York: Alvin Saunders Johnson Publisher, 1967)

20۔ عبد الرحمٰن ابن خلدون، **المقدمہ**، مترجم: راغب رحمانی، (کراچی: نفیس اکیڈمی، 2001)، 1\73۔

Abdurrahman b. Khuldūn, *al-Muqadimah*, Trans. Rāghib Rahmanī, (Karachi: Nafīs Acadmy, 2001), 1/73.

21۔ ڈاکٹر خالد علوی، **اسلام کا معاشرتی نظام** (لاہور: الفیصل ناشران، 2009)249۔

Dr. Khalid Alvi, *Islam kā Muashartī Nizām*, (Lahore: al-Faisal Nashrān, 2009), 249.

22۔ مجیب اللہ ندوی، **اسلامی فقہ**، (لاہور: پروگریسو بکس، 1991)، 04۔

Mujibullah Nadvī, *Islamī Fiqh*, (Lahore: Prograssive: Buks, 1991), 04.

23۔ محبوب عالم، (مدیر) **اسلامی انسائیکلوپیڈیا**، (لاہور: پیر اجنار، 1993)، 687۔

Mahmbub Alam, (e), *Islamī Encyklopedia*, (Lahore: pir ajnar, 1993), 687.

[24]۔ القرآن، ۱۶:۱۲۵۔

Al-Qur'ān, 16:125.

[25]۔ القرآن، ۳:۱۰۴۔

Al-Qur'ān, 3:104.

[26]۔ القرآن، ۵۲:۵۵۔

Al-Qur'ān, 52: 55.

[27]۔ القرآن، ۴:۴۸۔

Al-Qur'ān, 4: 48.

[28]۔ مسلم بن حجاج القشیری، **الجامع الصحیح**، باب بیان کون النہی عن المنکر (بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۶ھ)، حدیث نمبر 78۔

Muslim b. Hajjaj, al-Qusharī, *al-Jami, al-Ṣaḥīḥ*, bāb biyān kon al-Nahī aan al-Munkir, (Bairut: al-Maktab al-Islamī, 1406), Hadith No. 78.

[29]۔ محمد بن عیسیٰ ترمذی، **السنن**، کتاب الفتن، (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹م) حدیث نمبر: ۲۱۷۴۔

Muhammad b. Isa Tarizī. *Al-Sunan*, Kitāb ul Fitan, (Riadh: Dār ul Salām, 1999), Hadith No. 2174.

[30]۔ القرآن، ۲۹:۴۶۔

Al-Qur'ān, 29: 46.

[31]۔ القرآن، ۲:۲۸۳۔

Al-Qur'ān, 2: 283.

[32]۔ القرآن، ۴:۱۳۵۔

Al-Qur'ān, 4: 135.

[33]۔ محمد بن اسماعیل بخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الحدود، (بیروت: دار ابن کثیر، ۱۴۰۷ھ)، حدیث نمبر: ۶۷۸۹۔

Muhammad B. Isa Bukharī, *al-Jami, al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb ul Hudūd, Biarut: Dār bin Kathīr, 1407H), 6789

34۔ القرآن،٦: ١٠٩۔

Al-Qur'ān, 6: 109.

35۔ محمد بن یزید القزوینی، **السنن**، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، (ریاض: دارالسلام، ١٤٠٧ھ)، حدیث نمبر ٤٠١٣۔

Muhammad b. Yazid al-Qasvinī, *al-Sunan*, Kitāb ul Fitan, Bāb ul Amr bil Ma'rūf wa Nahyi an al-Munkar (Riadh: Dar us Salam, 1407H.), Hadith No. 4013.

36۔ القرآن، ١١:٤٩۔

Al-Qur'ān, 11: 49.

37۔ مسلم، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر ٢٥٦٤۔

Msulim, A-Sahih, Kitb –Ul-Bire, Wassilah, Hadith No.

38۔ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی، **تفسیر سعدی**، مترجم حافظ صلاح الدین یوسف (لاہور: دارالسلام، ٢٠٠٣م)، ٧:١٣٥۔

Abdu Rahman b. Nasir al-Sa'dī, *Tafsīr Sa'adī*,,Trans. Hafiz Salah Huddin Yusuf, (Lahore: Dār us Salām, 2003), 7/135.

39۔ بخاری، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ٣٠۔

Bukharī, Kitab ul 'Imān, Hadith No. 30.

40۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث ، **السنن**، کتاب الادب، (بیروت: دار ابن حزم، ١٩٩٨م) حدیث نمبر ٤٨٧٥۔۔

Abu Dawood Sulaimān b. Ashaath, *al-Sunan*, Kitāb ul Adab, (Bairut: Dār Ibn. Hazam, 1998), Hadith No. 4885.